اور میں نم دیدہ نم دیدہ

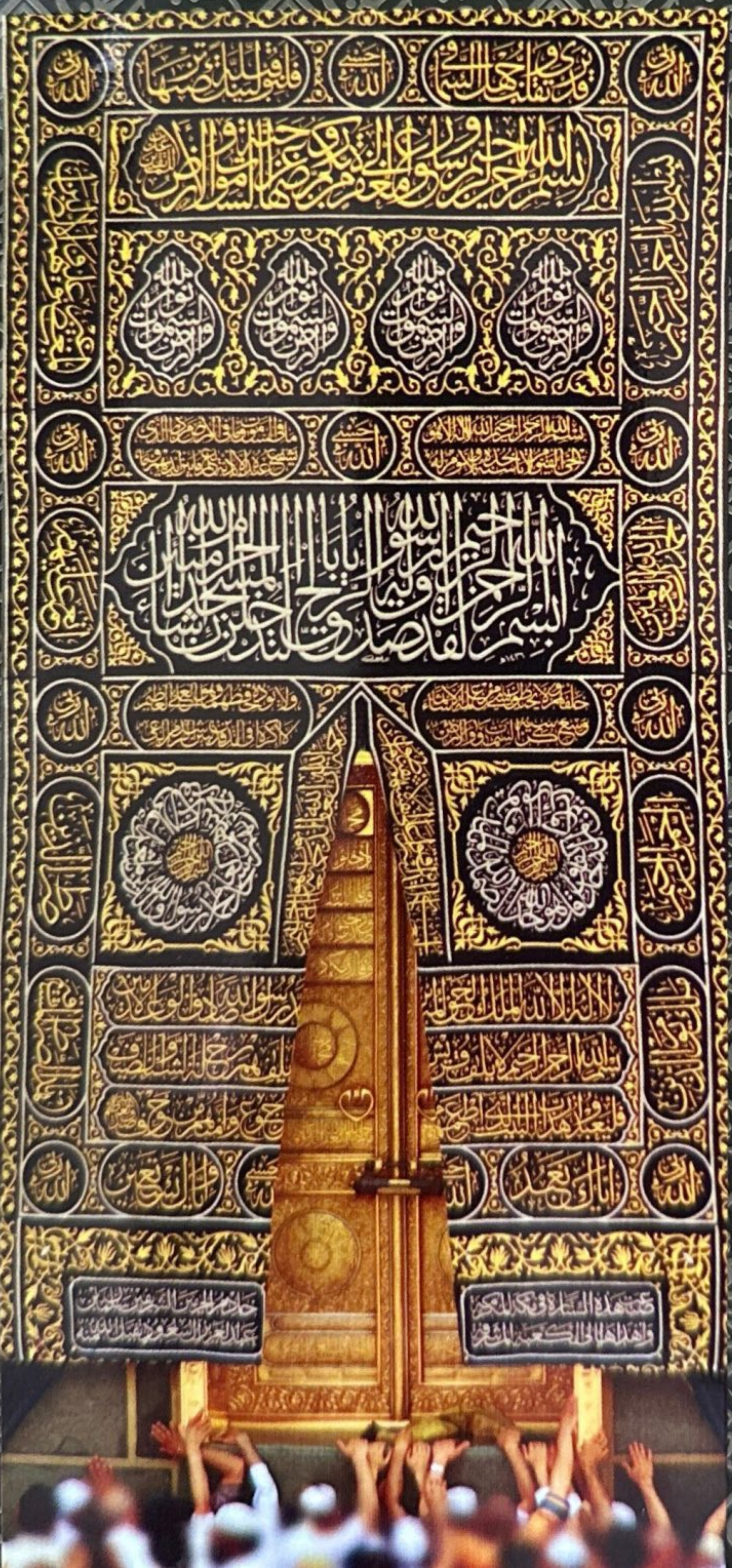

ابوبکر قدوسی

مکتبہ قدوسیہ

پھر یوں ہوا کہ

رفتم کہ خار از پا کشم، محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد[1]

مجھے نہیں معلوم کہ اس کا سبب کیا ہوا۔ انیس سو ننانوے کا آغاز تھا کہ میں نے بیگ اٹھایا، پاسپورٹ لیا، ویزا لگوایا اور اکیلا حرم کو چل دیا۔ اس کے چند برس بعد دوبارہ ایک بار ریاض گیا اور سفر حرم بھی اس کا حصہ رہا۔

لیکن اس کے بعد پاؤں وقت کی زلف دراز میں یوں الجھے، یوں الجھے کہ مدتوں ''سلجھ'' ہی نہ سکے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ تنہائی بھی سسک سسک اٹھی، اس کا دامن حسن دوعالم سے بھی بھر دیا لیکن دل نہ ٹھہرا، جدائیوں کا موسم جیسے ٹھہر ہی گیا ہو۔

جانے کیسا یہ کانٹا تھا کہ دل میں چبھا اور ایسا چبھا کہ اس کو نکالنے کی فکر میں عمر بیت گئی

رفتم کہ خار از پا کشم، محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

اور اب جب عمر کا کارواں تھک ہار کے منزل کے قریب آن پہنچا ہے تب جا کر یہ زلف سلجھی ہیں اور دل پہ اس کے باوجود اتنی گہری تھکن ہے کہ شمار نہیں۔

اب آؤ کہ تم کو بلاتے بلاتے
میرے دل پہ گہری تھکن چھا رہی ہے

پچھلے برس کے نومبر میں بنا کسی ارادے کے اچانک ہی جیسے الجھی زلف سلجھ گئی ہو اور میں حرم کے سفر پہ چل نکلا۔ دو ہفتے کا قیام تھا اور میں کہ جیسے خواب میں تھا

یا یوں جانیے کہ کسی جاڑے کے موسم میں تنہا کھڑا کسی اداس شاہراہ پر اکیلا دھند میں چلا جا رہا ہوں، اور اس دھند میں میں جیسے اپنی ذات کو بھی بھلائے بیٹھے خواب دیکھ رہا ہوں۔

سفر سے واپس آیا تو قریباً اڑھائی تین ماہ بعد بیٹھے بیٹھے بنا کسی ارادے کے سفر نامہ لکھنا شروع کر دیا۔ دوران سفر حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا کہ سفر نامہ لکھا جائے، سو جو لکھا یادوں کے سہارے لکھا۔

احباب کا کرم تھا کہ لکھے کو پسند کیا اور ان کی یہ پسندیدگی میرے لیے مزید لکھنے کو مہمیز ہوئی۔ سو میں کہ جو "ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں"

اس کو مکمل کر پایا۔ اس لکھنے کے بیچ لمحہ لمحہ یہ بات خیال میں رہی کہ اگر سفر نامہ ہی لکھنا تھا تو دوران سفر کچھ یادیں رقم ہی کر لی ہوتیں، لیکن گمان ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو شائد کچھ تصنع بھی شامل حال رہتا، اب تو جو آپ کے سامنے ہے وہ وہی ہے کہ جو دل و جاں پہ گزرا اور جو یادوں میں سمیٹ پایا۔

ابوبکر قدوسی

---

(1) میں نے پاؤں سے کانٹا نکالنا چاہا (اور اتنے میں) محمل نظر سے پوشیدہ ہو گیا، میں ایک لمحہ غافل ہوا اور راہ سے سو سال دور ہو گیا

پاکستان سے روانگی

یونہی بیٹھے بیٹھے پروگرام بنا اور کچھ ہی روز میں ہم ارض حرم کو چل دیئے

گو اجنبی دستک تھی مگر میں نے درِ جاں
یہ سوچ کے کھولا کہ امکاں میں تم تھے

پچھلے کئی ماہ سے ایسا ہوا تھا کہ میں نے حرم کا تصور کیا اور آنکھیں ساون بھادوں ہو گئیں۔

آقا میریاں اکھیاں مدینے وچ رہ گئیاں

ابھی معاملات ایسے نہ تھے کہ میں آسانی سے چل پڑتا لیکن ''حکم حاکم'' کے آگے کسے مفر ہے۔ یہاں ''حاکم'' سے مراد کیا ہے، آپ سمجھ سکتے ہیں۔ خاتون خانہ دو ماہ سے جانے کی ضد کر رہی تھیں اور ہم

آج جانے کی ضد نہ کرو.........

لیکن چند ہی گھنٹوں میں دل ٹھہر گیا اور میں نے اپنے پاسپورٹ کی تصویر موذّن کو بھجوا دی۔ موذّن الٰہی ظہیر برادرم ابتسام الٰہی ظہیر کے بیٹے ہیں، جنھوں نے ابھی حال ہی میں ''ٹریول ایجنسی'' کو بطور کاروبار اختیار کیا ہے۔ یقیناً سعادت کا کاروبار ہے۔ اگلے روز ویزہ لگ کر آ گیا اور جانا طے ہو گیا۔

مدینے کا سفر ہے اور میں نم دیدہ نم دیدہ

کچھ ضروری تیاری کی، ہمارے بہت قریبی دوست برادرم حافظ عمر فاروق جو مکرم حافظ ایوب صاحب (فیصل آباد) کے بیٹے ہیں اور طیبہ قرآن محل کے نام سے

کتابوں کا کام کرتے ہیں، انہوں نے مجھے فوری طور پر احرام بھجوا دیا اور ساتھ درجن بھر لمبے وائس میسج کہ ''البیک [1] کہاں سے خریدنا'' ہے اور فلاں کام اور فلاں کام کیسے کرنا ہے۔ بلاشبہ اس وقت ''لبیک'' اور ''البیک'' ہم پاکستانیوں کے لیے عمرے کے سفر میں لازم ہوئے پڑے ہیں۔

انتیس نومبر کی رات کے دوسرے پہر مسیب قدوسی صاحب ہمیں ایئرپورٹ چھوڑنے جا رہے تھے، لاہور کے موسم میں خنکی اتر رہی تھی۔ سردیوں کی اداس شامیں اور پت جھڑ کا یاسیت زدہ موسم پیچھے رہ رہا تھا اور امید کا چاند آسمان پر طلوع ہونے کو تھا۔

میں نے اپنے بیگ میں گرمیوں کے کپڑے بھر لیے تھے کیونکہ کہا جا رہا تھا کہ مدینے کے موسم میں گو کچھ خنکی ہے لیکن مکے کا موسم ابھی گرم ہے۔

یہ ایک نجی ائیرلائن کا نسبتاً چھوٹا جہاز تھا، میں نے ویسے بہت کوشش کی تھی کہ سعودی ایئرلائن سے ٹکٹ مل جائے لیکن ایسا ممکن نہ ہوا۔ سعودی ایئرلائن کے جہاز عمدہ ہوتے ہیں، دوسرا جس ٹرمینل پہ وہ اتارتے ہیں وہاں سے باہر نکلنے میں اور ایئرپورٹ پر بھی خاصی سہولت رہتی ہے۔ ان دنوں جدہ میں میرے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابوالحسن علی مقیم تھے۔ جدہ یونیورسٹی میں ایسوسی ایٹ پروفیسر تھے۔ کیمیکل انجینئرنگ کا شعبہ ہے۔ اب وہ جدہ سے برطانیہ سدھار چکے ہیں۔ انہوں نے ہمیں لینے آنا تھا ان کا بھی یہی کہنا تھا کہ ''کسی صورت سعودی ایئرلائن پر آ جایئے۔'' لیکن ہمارے نصیب کی بارشیں اس مقامی ائیرلائن پر ہی برس رہی تھی۔

لاہور ایئرپورٹ کے نصف درجن مرحلوں سے گزرنا بذات خود ایک مشکل کام

---

[1] البیک، سعودی عرب کی مشہور و معروف ''فوڈ چین'' ہے جس کا بروسٹ زائرین حرم میں بہت پسند کیا جاتا ہے۔

تو ہوتا ہی ہے لیکن اس کے بعد اگر جہاز بہت آرام دہ ہو تو گزری مشکلیں کچھ ہی دیر میں دل و دماغ سے نکل جاتی ہی۔ لیکن ایسا نہ تھا۔ پاسپورٹ، ویزا چیکنگ اور جامہ تلاشی غرض ہر مرحلے سے فارغ ہو کر لاؤنج میں چلے آئے اور احرام باندھ لیا۔ احرام باندھنے کے لیے ایک بڑا کمرہ مخصوص تھا جہاں ساتھ مسجد اور وضو کا انتظام تھا۔ مجھے ایک صاحب نے پوچھا کہ ''احرام باندھ کر دو نفل کیوں نہیں پڑھے؟؟''

میں نے عرض کیا کہ ''یہ ثابت نہیں ہے البتہ اگر آپ وضو کر کے دو نفل پڑھتے ہیں تو وہ درست ہے۔'' اس پر وہ میری طرف کچھ بے یقینی اور حیرت سے تکنے لگے۔ میرا گمان ہے کہ ان کے دل میں آیا ہو گا کہ

''سفر کا آغاز ہی کسی وہابی کے ٹکرانے سے ہو رہا ہے، آگے نہ جانے کیا ہو۔''

لاؤنج میں موسم نسبتاً خوشگوار تھا اور لاہور کی سردی ایئرپورٹ سے باہر ہی رہ گئی تھی۔ احرام باندھے کوئی ایسی دقت نہ ہو رہی تھی لیکن میں نے احتیاطاً اپنے ہمراہ گرم چادر رکھ چھوڑی تھی سو میں نے احرام کے اوپر گرم چادر اوڑھ لی ؏

یوں کس طرح کٹے گا کڑی دھوپ کا سفر
سر پر خیالِ یار کی چادر ہی لے چلیں

یہاں یہ بتانا ضرور چاہوں گا کہ احرام ان مقامات سے باندھنا چاہیے جو رسول مکرم ﷺ نے حرم کعبہ کے چہار سمت مکمل مقرر کر دیے ہیں۔ ان مقامات کو میقات کہتے ہیں۔ جب پاکستان کی طرف سے جاتے ہیں تو میقات ایسے وقت میں آتا ہے کہ آپ کا جہاز ہوا میں ہوتا ہے اور جہاز کا عملہ اعلان کرتا ہے کہ آپ کا میقات آچکا ہے۔ جہاز کے اندر احرام باندھنا خاصا مشکل ہوتا ہے اور ایسا کرنے کی صورت میں آپ خود بھی مشکل میں پڑیں گے اور دوسروں کو بھی مشکل میں ڈالیں گے۔ اور

جب جہاز بھی حاجیوں سے بھرا ہوا ہوتو یہ مزید مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لیے علماء فتوی دیتے ہیں کہ آپ گھر سے احرام باندھ کر نکل سکتے ہیں یا ایئر پورٹ سے باندھ لیجئے۔ مجھے ایئر پورٹ سے باندھنا اس لیے زیادہ بہتر لگا کہ ایک تو آپ تیاری وغیرہ کے مراحل اور مقامی سفر سے آزاد ہو چکے ہوتے ہیں، پھر ایئر پورٹ پر پاسپورٹ، سامان کی چیکنگ سے فارغ ہو چکے ہوتے ہیں۔ ان سارے امور سے احرام کی حالت میں نمٹنا نسبتاً مشکل ہو جاتا ہے، سو لاؤنج میں جا کر احرام باندھا جائے تو بہتر ہے۔ دوسرا اس میں مجھے بہتری کی صورت یہ بھی محسوس ہوئی کہ چاہے ایک قدم ہی ہو، آپ میقات کے قریب تر ہوں تب احرام باندھا جائے۔ احرام باندھ کر ہم سب لاؤنج میں بیٹھے انتظار کر رہے تھے کہ کب اذن رخصت ہو اور ہم لاہور کو چھوڑ کر سوئے حرم چلیں۔

ابھی تک جو اعلان ہو رہا تھا اس کے مطابق جہاز وقت مقررہ پر ہی رخصت ہو رہا تھا کچھ دیر میں ہی خاتون کی آواز سنائی دی کہ جہاز کی طرف چلیں۔ وفور شوق سے قافلے آگے بڑھے اور قطار میں کھڑے ہو گئے۔ چھوٹا جہاز تھا اور مسافر ٹھونسے ہوئے تھے۔ نشستوں کے درمیان فاصلہ اتنا تو تھا کہ انسان بیٹھ جائے لیکن پاؤں پسارنے کی سہولت موجود نہ تھی۔ چھ نشستیں ایک لائن میں یوں تھیں کہ دائیں طرف تین اور بائیں طرف تین، درمیان میں مناسب سا فاصلہ اتنا ہی جتنا مشتاق احمد یوسفی نے اندرون لاہور کی گلیوں کا بیان کیا ہے کہ بیک وقت اگر دو افراد آمنے سامنے آ جائیں تو بیچ میں گنجائش نکاح کی رہ جاتی ہے اور یہاں پر تو معاملہ اور بھی زیادہ خطرناک تھا کہ چھ عدد ''خواتین ہوائی میزبان'' دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں بھاگی چلی آ رہی ہیں اور جا رہی ہیں کہ:

یہ آ رہے ہیں وہ جا رہے ہیں، یہ چل رہے ہیں وہ پھر رہے ہیں

جگر مراد آبادی بھی کس وقت یاد آئے۔ کچھ ہی دیر میں جہاز کے دروازے بند ہو گئے۔

میری بیٹی وفور شوق سے کھڑکی کے ساتھ لگی بیٹھی تھی کہ جہاز ہوا میں بلند ہو اور وہ بلندی سے لاہور شہر کو دیکھ پائے۔ نیچے رات کی گہری تاریکی اور ان تاریکیوں میں چمکتا لاہور تھا۔

اس کے دروازے اور دروازوں سے جھلکتے عشق سمندر سب نیچے روشنیوں میں چمک رہے تھے۔ قطار اندر قطار روشنیاں بتا رہی تھیں کہ یہ ٹھنڈی سڑک ہے اور یہ فیروز پور کو جاتی شاہراہِ محبت ہے، اور وہ اُدھر بہتی ہوئی مجسم داستان محبت لاہور کی نہر۔

دس کھاں شہر لاہور اندر
کنے بوہے تے کنیاں باریاں نے
دس کھاں شہر لاہور اندر
کھویاں کنیاں مٹھیاں نے، تے کنیاں کھاریاں نے

پھر دور کسی کونے سے کوئل "کوکتی" اور جواب آتا ہے کہ اس شہر میں لاکھوں دروازے اور کھڑکیاں ہیں جن کنوؤں سے محبوب پانی بھریں وہی کنویں میٹھے ہیں باقی سب کڑوے......

"دساں میں شہر لاہور اندر
لکھاں بوہے تے لکھاں باریاں نے
جیا کھویاں توں بھر گئے معشوق پانی
اویو مٹھیاں نے تے باقی کھاریاں نے"

لیکن ہمیں کیا، ہم آج کون سا فقیر اور تہی دامن تھے کہ لاہور کے میٹھے کھارے کنوئیں شمار کرتے کہ ہم تو اس ازل ازل کے میٹھے پانی کو جا رہے تھے کہ جسے "زم زم"

کہتے ہیں۔

کچھ ہی دیر میں ہدایات کی ٹیپ چلنا شروع ہوگئی کہ آپ نے جہاز کی نشست و برخواست کیسے کرنی ہے اور اس ریکارڈنگ کے ساتھ ساتھ میزبان خواتین عملی مظاہرہ کر کے دکھا رہی تھیں۔ سارا کچھ ٹھیک تھا کہ بیلٹ کیسے باندھنی ہے، کھانے کی ٹرے کیسے سیدھی کرنی ہے، اگر آکسیجن کا دباؤ کم ہو جاتا ہے تو آپ کے سامنے ماسک آن گرے گا تو ماسک لگا کر سانس کیسے بھرنا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ایمرجنسی کے دروازے کس طرف ہیں لیکن اس تمام تر ہدایت کاری کا کلائمکس تب تھا جب خاتون میزبان نے اپنے جسم پر لائف جیکٹ پہن لی اور بتایا کہ کسی ایمرجنسی کی صورت میں آپ کی نشست کے نیچے لائف جیکٹ ہے اور اس لائف جیکٹ کو یوں باندھنا ہے اور اس نلکی سے آپ نے منہ لگا کے ہوا بھرنی ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ سیٹی لگی ہوئی ہے کہ آپ نے دوسروں کو اس سیٹی کے ذریعے متوجہ کرنا ہے۔

صاف سیدھا نہیں کہہ رہی تھی کہ اگر ہمارا جہاز سمندر میں گر جائے تو ایمرجنسی دروازے فلاں جگہ ہیں، لائف جیکٹ آپ کے نیچے ہے جو کاندھے پہ چڑھانی ہے، ہوا بھرنی ہے اور ٹائٹینک کا ہیرو بن جانا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ جب سیٹی بجانے کا طریقہ بتا رہی تھی تو میرے کانوں میں ٹائٹینک کی سیٹیاں بج رہی تھی اور شرم بھی آ رہی تھی کہ حرم کے سفر پہ نکلا یہ "رندِ بے عمل" اس وقت بھی اس سیٹی کے ذریعے کس رومانس کو یاد کر رہا ہے۔

ابھی اعلان ختم ہوا تو ایک دیہاتی خاتون نے جلدی سے سیٹ کے نیچے ہاتھ بڑھایا اور اپنے حصے کی جیکٹ نکال لی۔ بلاشبہ پیش بندی کی انتہا تھی اور احتیاط کا بہترین منظر۔ خاتون میزبان جلدی سے آگے بڑھی اور اسے ایسا کرنے سے منع کیا۔

کچھ ہی دیر میں کھانے اور چائے پانی کا دور شروع ہو گیا اور میں یہ سوچ رہا تھا

کہ ہماری یہ بہنیں مارچ کے پہلے ہفتے میں اتنا غصے میں ہوتی ہیں اور اپنے گھر والوں کو پلے کارڈ اٹھائے کہہ رہی ہوتی ہیں کہ

"اپنے کپڑے خود استری کرو، اپنا کھانا خود گرم کرو، میں تو ہرگز نہیں کروں گی۔"

اور اس وقت جہاز میں دوسو مسافر ہیں، جن کو یہ خاتون گرما گرم کھانا فراہم کر رہی ہے اور ان مسافروں کی آنکھوں میں موجود ہر رنگ کو پڑھ رہی ہے۔ اس کے باوجود بڑے حوصلے اور ضبط کے ساتھ ان کو گرما گرم کھانا دے رہی تھی۔

جدہ ایئرپورٹ پر

قریب پانچ گھنٹے کا یہ سفر کروٹیں بدلتے اختتام کو پہنچا۔ غیر آرام دہ نشستوں کے سبب ہم نے اس جہاز کو "ہوائی چنگ چی" کا نام دے دیا۔ جدہ ایئرپورٹ پر اترنے سے لے کر ہینگر پر لگنے تک آہستہ آہستہ رینگتا ہوا جہاز نصف گھنٹہ لے گیا، یہ وقت خاصا صبر آزما تھا۔ البتہ خوشگوار طور پر جہاز سے اتر کر ایئرپورٹ سے نکلنے تک کے تمام تر مراحل خاصے آسان ثابت ہوئے کہ جس کے بارے میں جدہ میں موجود چھوٹے بھائی ابوالحسن نے مجھے ڈرا رکھا تھا۔ لیکن ایسا کچھ نہ تھا، ممکن ہے ان کا ماضی کا تجربہ ایسا ہی رہا ہو۔ بعد میں دوسرے احباب نے بھی حج ٹرمینل پر ایسی ہی مشکلات کا ذکر کیا، جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں محفوظ رکھا۔

جہاز سے اترتے ہی پہلی تبدیلی دکھائی دے گئی کہ امیگریشن کے کاونٹروں پر مردوں کی تعداد کم تھی اور خواتین زیادہ بیٹھی ہوئی تھیں۔۔۔ البتہ سب نے عبایا پہن رکھے تھے اور ساتھ چہروں پر بھی پردہ سجا رکھا تھا۔ یہ تبدیلی محمد بن سلمان کے ویژن 2030ء کے برگ و بار ہیں۔ آپ مملکت کو "ترقی" کی شاہراہ پر کچھ زیادہ ہی تیزی سے گامزن کیے دے رہے ہیں۔ سو اس تیز رفتاری کے سبب خوب اور ناخوب سب

کعب بن اشرف کے قلعے کے کھنڈرات

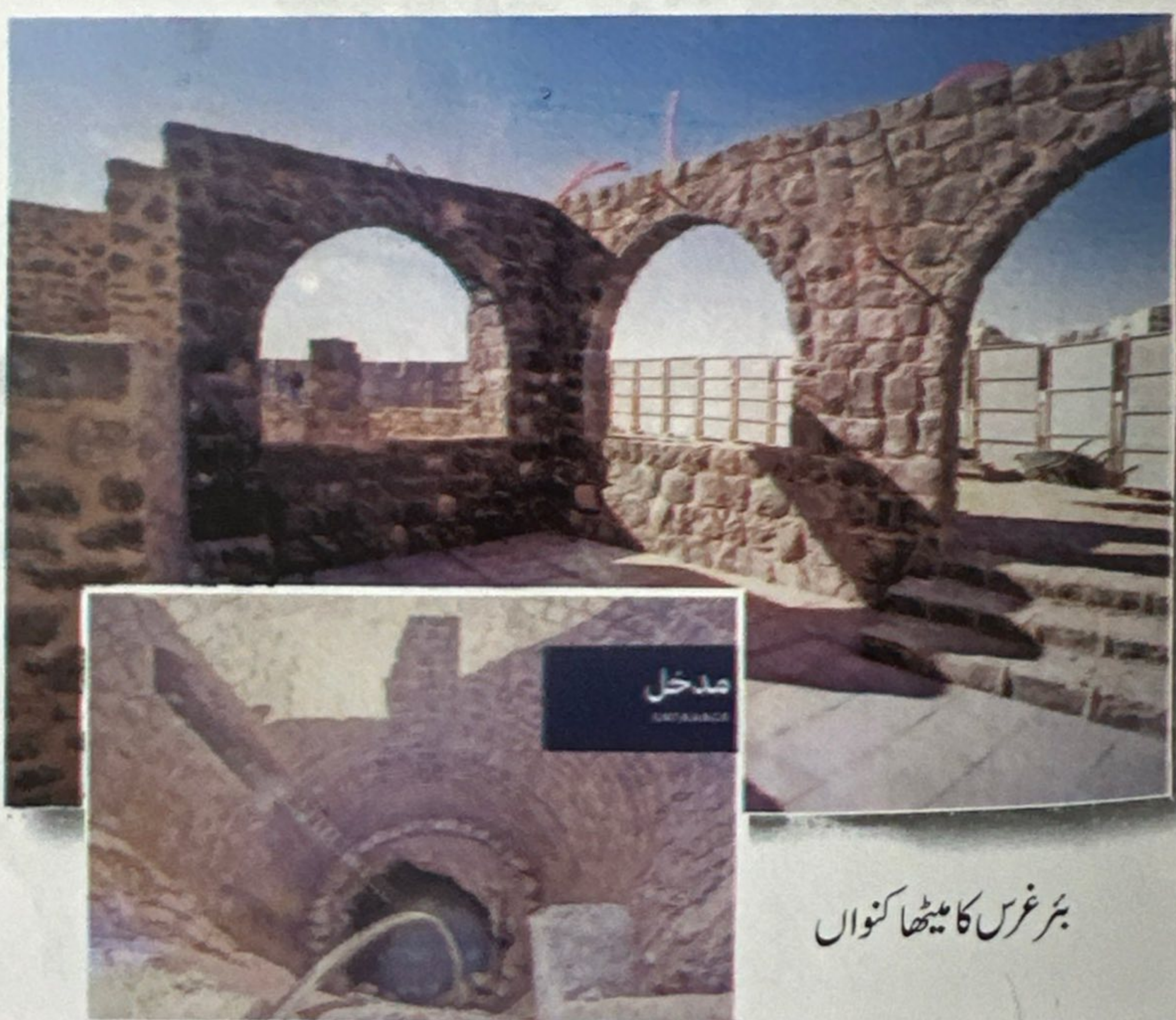

بئر غرس کا میٹھا کنواں

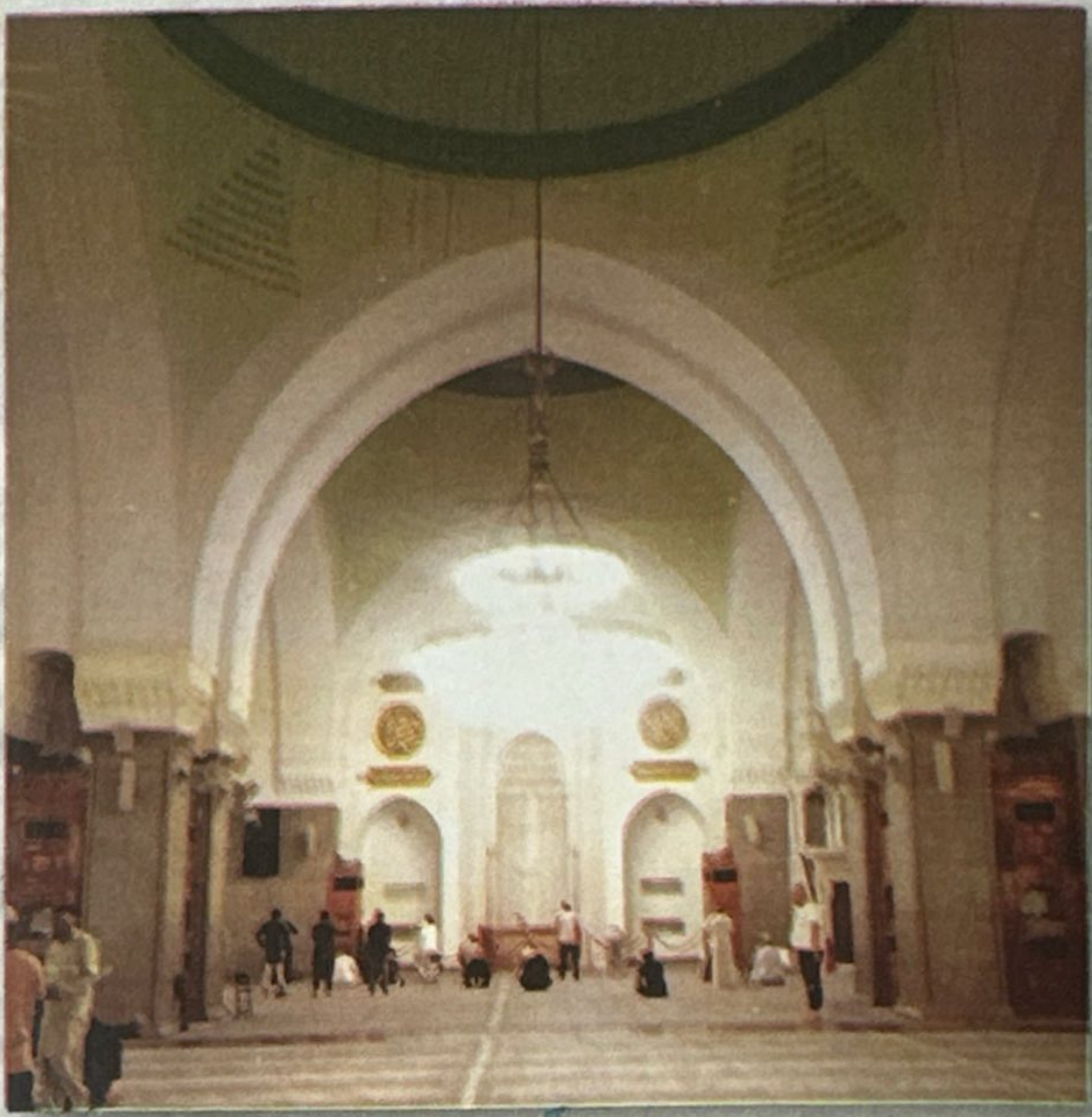

مسجدِ قباء کا اندرونی منظر

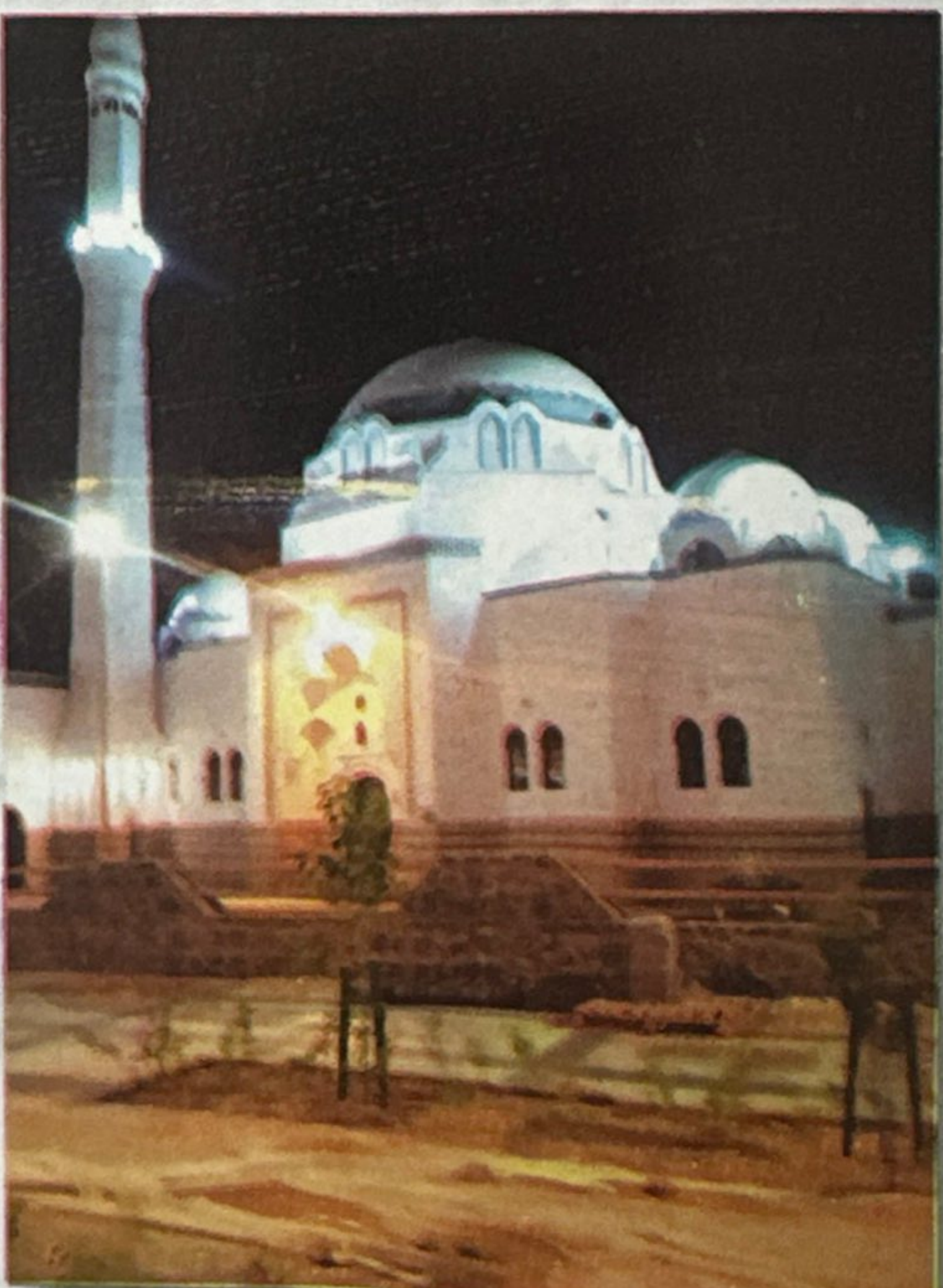

رات کے اندھیرے میں چمکتے موتی کی طرح مسجد قباء کا ایک منظر

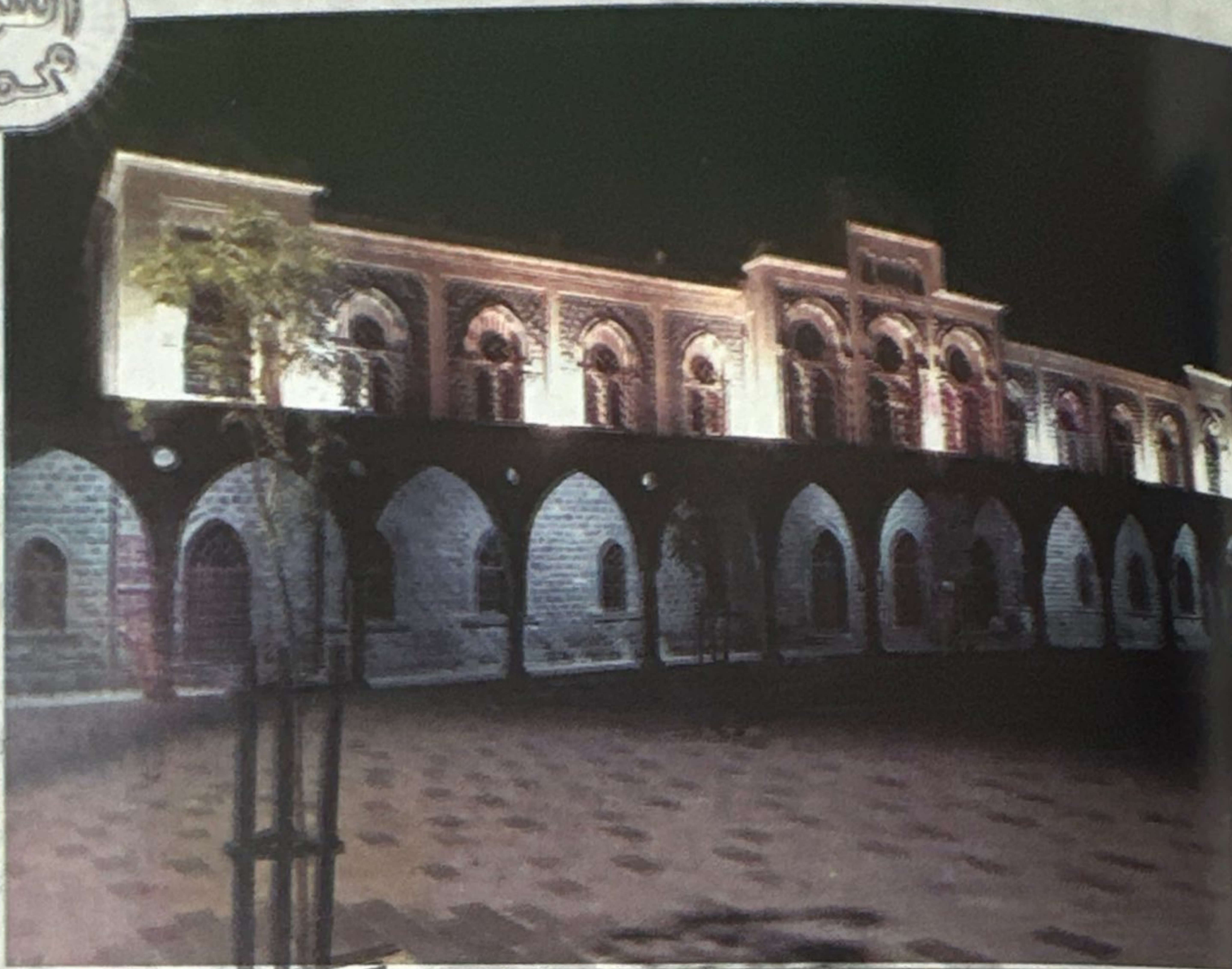

دمشق حجاز ریلوے اسٹیشن کا ایک منظر

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا وقف آج بھی